

میں ۱۰۱۲۔ راشدیل روڈ کے دروازے پر کھڑا تھا... میں جب یہاں سے نکلا تھا تو مجھ میں نوجوانی کی ایک مخصوصیت اور سچپن کا بھولپن ابھی تھا اور وہ مخصوصیت رخصت ہوئی اور اب میں ایک لڑکا نہیں ایک مرد تھا جو اپنی جنس سے آگاہ ہو چکا تھا۔ مجھے اس دنیا کے ان بھیدوں کے بارے میں علم ہو چکا تھا جن کی وجہ سے یہ دنیا آباد ہے...۔

میں نے ابھی گھنٹی کے بیٹن پر انگلی رکھی ہی تھی کہ دیکھ کے بھونکنے کی آواز آئی اور وہ دھنڈ لے شیشے کے پچھے تھوڑتینی لگا کر مجھے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے یقین ہے کہ اُسے بھی پہچاننے میں دشواری ہوئی ہو گئی۔ میں ایک مختلف شخص تھا جوں نے دروازہ کھولا اور چند لمحوں کے لئے وہ بالکل خالی نظرؤں سے مجھے دیکھتی رہی... میری شیری بڑھی ہوئی تھی اور بال کا نون پر آئے ہوئے تھے اور میرا زنگ پہلے کی نسبت زیادہ گندمی ہو چکا تھا۔

"اوہ" اس نے خوشی سے ایک ہلکی سی چیخ ماری "تو یہ تم ہو" میں اندر چلا گیا۔ وہ کیک اتار کر نیچے رکھا اور ایک صوفے پر دراز ہو گیا..... بیٹھ سامنہ تیبل پر پہنچے دو تین ماہ کی ڈاک پڑی تھی... میں دیکھ سکتا تھا کہ چاپا پچ

خطابچی کے ہیں۔

”ماں کے اوسا نے... تم بہت مختلف نظر آ رہے ہو... بہت بد لے بد لے یہ۔“

جون نے میرا ہاتھ متحام کر کہا ”تمہارا سفر کیساز ہا... کہاں کہاں گئے۔“

میں نے اپنے سفر کی تفصیل بیان کی اور وہ اس درازان میں رہنے کا فی کا ایک

پیارہ بنالائی ”لوپیو... کیا دہاں اپھی کافی ملتی ہے؟“

جون ان انگریزوں میں سے تھی جن کے خیال میں انگلستان کے سوا پوری دنیا ایک

بجھل ہے۔ پورپ کے بارے میں بھی وہ یقین سے نہیں کہ سکتے کہ دہاں اپھی کافی میں
سکتی ہے یا نہیں۔

”اولڈ ہیری اپنے کمرے میں ہے؟ میں نے اٹھتے ہوئے کہا ”تم ذرا دیکھو تو سی

کہ میں اس کے لئے کیا کیا داشتا نہیں لے کر آیا ہوں...؟“ نیوز آف دی درلڈ ”میں چھپنے

والی تصاویر سے زیادہ یہاں نہیز داشتا نہیں...؟“

”نیوز آف دی درلڈ“ اس زمانے میں انگلستان کے بڑھوں کا پندرہ یونہہ ہفت روزہ اخبار تھا

جس میں جنی سینئل اور شیم برہنہ تصاویر کی بہتان ہوتی تھی۔

”وہ یہاں نہیں ہے“ جون کہنے لگی۔

”اور کہاں ہے وہ؟“

”تم بیٹھ جاؤ“ جون نے میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا ”اولڈ ہیری چلا گیا ہے“

”کہاں؟“ میں نے ایک دم لوپھا اور پھر میں جان گیا۔

”مجھے خوشی ہے کہ اس کو زیادہ اذیت نہیں ہوئی... میں فیکٹری سے واپس آئی

تو ہر کی بھونک رہا تھا اور ہیری اپنے بترپ لیتا ہوا تھا... میں نے اسے بہت اپھا

فیروز دیا...“

”کلاب کے پھولوں والا... اور میں نے تمہیں مس کیا؟“

”آئی ایم سوہی بجن... وہ تو میرا دوست تھا“

”ہاں...“ جون بالکل نارمل تھی لیکن وہ کچھ ہنس زیادہ رہی تھی ”وہ ہر شام میلے ٹوٹیں کے سامنے بیٹھے ہوئے کہتا۔ جون اُس کے بغیر میں بہت تنہائی محسوس کرتا ہوں لیکن میں خوش ہوں کہ وہ دنیا دیکھنے کے لئے گیا ہوا ہے۔ اس وقت پتہ منیں وہ کیا کر رہا ہے... شاند وہ اس لئے بہت ہی شارقی ہو گا... اور پھر تمہارے کارڈ آتے تو وہ انبیں دہنکی کے سامنے کر دیتا اور کہتا۔ کہ اس کارڈ کو سونگا کر بتاؤ کہ اس میں سے کونے سینٹ کی خوبصورتی ہے...“

اس رات میں ایک مرتبہ پھر اُس سینما کی طرف گیا جہاں میں جایا کرتا تھا اور میں نے اپنے آپ کو بدلا ہوا پایا۔ فلم میں اب وہ بھیدنہ تھے اور میرے آس پاس جو کھسر پر ہو رہی تھی۔ میں اُس کی اصلیت بھی جانتا تھا... لیکن میں پوری فلم نہ دیکھ سکا اور ہال سے باہر آگیا۔ فٹ پاٹھ پر چلتے ہوئے میرے بائیں بازو پر کھیت تھے اور وہ پھاڑیاں نہیں بوس دیں میں برف سے ڈک جاتی تھی... اور ہوا میں وہی نم سردی تھی جس میں دُھنڈ کی خوبصورتی.....

گھری، نیلے سمندروں سے بھی گھری
یہ اتنی گھری ہوتی ہے....

اُس برس میں ماپنچھر سے ساؤ تھا اینڈ آن سی میں منتقل ہو گیا۔
 ساؤ تھا اینڈ سمندر کے گزارے آبادی کے ایک حصے کا نام تھا... ایک حصے کا
 اس نے کہ سمندر کے ساتھ ساتھ آبادی پلی جاتی تھی اور رشم نہیں ہوتی تھی پہنچنے
 بہان سے ساؤ تھا اینڈ ختم ہوتا تھا دہان سے دیست کلف شروع ہو جاتا تھا اور
 دیست کلف کے آگے لے آن ہی تھا... لڑکن کی مشینی اور سرو زندگی کے مارے
 ہوئے لوگ دیک اینڈ پر ساؤ تھا اینڈ کا رخ کرتے... یہاں پر کیسینیو تھا۔ کھیل تماشے
 رقص گاہیں، ساحلی ہوٹل پارک اور سمندر تھا... اور ہاں دنیا کا طولیں ترین سمندر کی راستہ
 تھا یعنی پیریں... ایک قسم کا پل جو تقریباً ایک میل تک سمندر میں جاتا تھا۔ اس کے آخر میں دیپی
 کھیل تماشے اور رقص گاہیں۔ اس پیریں پر ایک چھوٹی سی ترین چلتی تھی۔ پیدل چلنے والوں
 کے لئے مرارت بھی تھا... ناہے کہ اب اس پیریں کو مسماں کیا جا رہا ہے... ساؤ تھا اینڈ
 سہنپتے کے پارخ روزہ دنیا کا خوبصورت ترین قصبہ تھا اور دوں یعنی سہنپتے کی دو پہرا اور
 اتوار کے روز دنیا کا بدترین قصبہ تھا کیونکہ لندن والے یہاں وحادا بول دیتے... ساتھ
 میں کون آٹھ کریم۔ سر پر فیضی ہیئت۔ منہ میں سیطیاں اور بگل... وہ آتے اور ہم اپنے
 گھروں نیں دبک جاتے۔

ساؤ تھا اینڈ میں ایک کالج تھا اور میں وہاں کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے جپسی کو پہلے اپنے نئے ایڈریس کی اطلاع کی۔

بچھرا ایک روز پانچ سو فرانک کے برابر بر طافوی پاؤنڈوں کا ایک ڈرافٹ اس کے

نام بنو کر بذریعہ رجسٹرڈ پرست روشن کر دیا۔

چندروں بعد یہ ڈرافٹ واپس آگیا۔ میں نے تمدین لکھا تھا کہ تم یہ رقم واپس نہیں کر سکے

کیونکہ یہ تمہاری سی ہے... ماں اگر تم سلمان کا آسکو تو...“

ہیری نئی لینڈ لینڈ میں بھی ایک نہایت ہی پیار کرنے والی اور اعلیٰ انسانی اقدار کی

حامل روح تھی.... چونکہ اس کی شادی منیں ہوتی تھیں اس لئے وہ حامل ہوتی تو

صرف اعلیٰ انسانی اقدار کی... اور ستبریس کی عمر تک رہی۔

ہر صبح ناشتے کی میسر رپومنٹر لینڈ کے ملکوں والا ایک لفاذ رکھا ہوتا...“

جبسی مجھے روزانہ ایک خط لکھتی... چاہیے ایک سطر یا کوئی طویل بات لیکن

روزانہ... اور میں اُسے دس پندرہ روز بعد جواب دیتا... دیگر مشا غل سے فرست

بہت کم ملتی تھی... اور شاید یہ جپسی کا قصور تھا کہ اس نے مجھے ان مشا غل کی گھرائی

سے تعارف کر دیا تھا... میں صبع تیار ہو کر شیچے کھانے کے کمرے میں آتا اور اپنی لینڈ

لینڈ میں ڈاک کے بارے میں پوچھتا تو وہ کہتی "اس کے علاوہ تمہارے وہ خطائے

میں"

"اس کے علاوہ" جپسی کا روزانہ خط تھا۔

جون کا خط مانچستر سے آتا... ہیری چلا گیا اور تم ویسے ہی چھوڑ گئے میں بہت

تنہا محسوس کرتی ہوں۔ کیا تم اپنی لینڈ لینڈ میں کیا دہنیں کرتے... میرے پاس اتنا دقت

کہاں تھا کہ میں اور ہیری عمر لینڈ یوں کو یاد کرتا۔

ستبریک آخر میں ایک خط آیا جس پر ہسپانیہ کے نکٹ تھے... جپسی سلمان کا میں تھی۔

”سلمان کا اتنا خوبصورت گرم موسم والا قصہ ہے کہ تم یہاں صرف ایک نیک اور بنیان میں گھوم سکو گے اور یہاں کے لوگ بالکل تم جیسے ہیں۔ میں جب ان کے گذنی بدن دیکھتی ہوں تو مجھے تم یاد آتے ہو۔ کیا میرا گندمی بدن میرے پاس نہیں آئے گا... میں نے ایک چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر لیا ہے جس کی ایک ہسپا نوی بالکونی ہے اور اس بالکونی میں ایسے پر وے ہیں جو کہ سمس کے آس پاس پھول دینے لگیں گے... اور تم ایک بے آواز بتر پر سو سکو گے“ اُس کے بعد اُس کے روزانہ خلک کے آخر میں ایک فقرہ ضرور ہوتا سلمان کا میں ملیں گے۔ میں نے اس سلمان کا سلسے کے بارے میں سمجھدی گی سے سوچا... کیا مجھے جانا چاہیئے؟.... یہ ایک طویل اور منگا سفر تھا... اگرچہ جیسی نے متعدد بار مجھے ملکٹ روائہ کرنے کے بارے میں پوچھا تھا میں شامد جا سکتا تھا لیکن مجھے ایک خدش تھا.... اور وہ یہ کہ سلمان کا کے بعد کیا ہو گا... کیا جیسی سلمان کا کے بعد مجھے یہ کہہ دے گی کہ مجھک ہے تم یہاں آگئے اب جہاں جی پاہتا ہے چلے جاؤ میں تمہیں کبھی نہیں بلا دیں گی.... مجھے معلوم تھا ایسا نہیں ہو گا۔ سلمان کا کے بعد ایک اور سلمان کا ہو گا اور پھر ایک اور... یہ سلسلہ ختم نہیں ہو گا... اور میں اس سلسے کو جاری رکھنے کے بارے میں کچھ زیادہ خواہش مند رہ تھا۔ ہاں کسی وقت میرا بھی چاہتا کہ مجھے جانا چاہیئے... ہسپائیڈ کا ایک دھوپ بھرا قصہ جہاں ایک بالکونی میں کرسس کے موسم میں پھول ہوں گے اور جیسی ہو گی اور... لیکن اس خواہش میں زیادہ حصہ اُس پر آسائشِ زندگی کے حوالے سے ہوتا جو مجھے دہاں میسر آتی... اس میں بند بات کا عمل و خل کم ہوتا...“

کارچے میں کرس کی چھٹیوں سے پیشتر پہنچنے ایک مختصر تقریر کی“ کرس کے موقع پر اپنے گھر اور اپنے ملک سے دور ہونا بے حد بے چارگی ہے۔ آپ میں سے جو غیر ملکی طالب علم ہیں وہ اگر پسند کریں تو کرس کے روز میرے ہاں آ جائیں۔ میں انہیں

خوش آمدید کہوں گا۔ میری کرسمس۔“

میرا خیال ہے پرنسپل نے یہ دعوت زیادہ سبجدگی سے نہیں دی تھی۔ بلکہ انہم نے اسے سبجدگی سے لے لیا۔

ذخیری میں برفباری کے موسم ہوں اور کرسمس کے درخت پرچھوٹ میں پھرٹ بلب ٹھٹھاتے ہوں تو ایک عجیب سترپ ہوتا ہے... ہوا میں کرسمس کی سردی مکث تیرتی ہے۔ انگریز شام سارا سال صرف کرسمس کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ ایک ہی قتوثار سے اُن غربیوں کا ہماری طرح ہر روز عید نہیں ہوتی۔ چنانچہ کرسمس سے سات آنھے پیشہ کرسمس کا رنگ دکھانی دینے لگتا ہے۔ اُس موسم کے آنے کی گھنٹیاں بننے لگتی ہیں... کرسمس منانے کے لئے عیناً ہونا بالکل ضروری نہیں بلکہ نوجوان ہونا ضروری ہے... اس روز برفباری ہو رہی تھی اور پچھے سات غیر ملکی طالب علم برف کی تھوڑی میں پاؤں رکھتے اور پھر بمشکل اٹھاتے، اپنے سروں سے برف جھاڑتے۔ وتنانے درست کرتے اور سردی سے اکٹھے ہوئے کافیں کرتے ایک دیران اور شیم تاریک قصبه کے فٹ پاٹھ پر چلتے جاتے تھے کرسمس کے روز انگریز گھر سے باہر نکلا گناہ سمجھتے ہیں۔ کرنیوں کی کیفیت ہوتی ہے۔ اس قائلے کا سالار ایک چینی لڑکا چانگ تھا یا شامہ اس کا نام دانگ تھا اور وہ بالکل اکڈکر چل رہا تھا پاسنگ آؤٹ میں پریڈ کرتے ہوئے ایک کیڈٹ کی طرح اور اُس کے ہاتھ میں ایک کرسمس کیک تھا۔ جو سب حضرات نے چندہ جمع کر کے پرنسپل صاحب کے لئے تیار کیا تھا۔

گھروں کے عنقر باعزوں میں برف سفید اور دیز تھی اور شیشے کی کھڑکیوں میں کرسمس درخت تھے۔ پرنسپل صاحب کے گھر کا گیٹ برف کی وجہ سے مشکل کھلا۔ گھنٹی بجا ہی تو پرنسپل صاحب نے دروازہ کھولا۔ ایک خالص انگریز ٹویڈ کا کوٹ جس کی گھنٹیوں پرچھڑا لگا ہوا تھا۔ گرے فلینٹ کی پتکوں۔ اونٹھائی اور پٹنزوں والا موٹا سوپیر۔ اور ہاں

پاپ بھی جو منہ میں تھا لیکن ہمیں دیکھ کر گرنے لگا... کیونکہ پرنسپل صاحب اتنے سارے طالب علموں کو دیکھ کر کچھ سیران ہو گئے اور اس سیرانی میں ان کامنڈھل گیا پناپنچ پاپ گرتے گرتے بچا۔

"ہاتھی کا رس مس سر...، چانگ یا دانگ نے کرسیکیک پیش کرتے ہوئے کہا۔

"بیپی کرسس سر...، ہم سب نے فقیروں کی طرح صدادی۔

"اوہ ہیلو...، پرنسپل صاحب بالآخر بولنے کے قابل ہوئے "شکریہ... آذھبی آؤ...،

" تھانک یو، دانگ نے جھک کر کہا اور اندر گھس گیا اور ہم سب اس کے پیچے

پیچے... اندر ایک ایسی نکھڑ دینے والی حدت تھی اور ڈرانگ روم کی جانب سے پیا نو

کی دل آوز مریقی آتی تھی اور کہیں اور سے کسی نہایت ہی آسمانی کمانے کی خوشی اور

جب ہم نے بھانگ کر دیکھا تو دونہایت ہی پیاری خواتین جن کے گال اُس اگ

کی تمادت سے دکھ رہے تھے جو آتش دان میں بڑی بڑی ہوئی جلتی تھی.... ہمارے

اکٹھے ہوئے کان نرم ہوئے اور ان میں جان پڑ گئی۔ ہماری انگلیاں دستاں میں انگلیاں

یعنی گلیں... اب اگر ہمیں کسی نبیل ڈوزر کے ذریعے بھی وہاں سے دھیلنے کی کوشش کی

جائی تو وہ یقیناً ناکام رہتی۔

پرنسپل صاحب دروازہ بند کر کے آگئے "بھبھی ادھر...، واد بھجے تو بے حد خوشی ہو

رہی ہے کہ آپ لوگ آسکے درد میں توہر سال طالب علموں کو دعوت دیتا ہوں لیکن کبھی

کوئی نہیں آتا...، یہ پہلی مرتبہ ہے کہ کوئی آیا...،"

ہمیں یقین تھا کہ آئندہ برس پرنسپل صاحب دعوت دینے میں اختیاط تھیں گے۔

ڈرانگ روم کی کھڑکی میں ایک بہت بڑا کرسس درخت جگہ کار رہا تھا اور اس کے

قریب پیارا یا ایک لڑکی جگہ کار رہی تھی۔

"بھبھی یہ ہیں میری بیٹیاں...، بکریل اور آڈری...، اور یہ ہیں... آہم بھبھی کیا

نام ہیں آپ کے ...؟

ہم نے اپنے اپنے نام بتایا یعنی وہ ان کے پلے شپڑے ...

مجھے معلوم نہیں کہ کیرل اور آڈری عام دنوں میں میں اسی طرح دمکتی تھیں یا مر
کر سس کے روز آن کے رخسار نہ تھا تھے اور آن کا ما تھا سرخ ہوتا تھا اور آن
کے سویٹر دن اور بالوں کی خوشیدہ ہم ایسے پر دیسیوں کو پاگل کرتی تھی ... مجھے آن میں
کوئی زیادہ فرق نہیں لگتا تھا وہ ایک جیسی تھیں۔ ایک جیسی شکلیں اور ہر بہو
بناوٹ ... پوری شام میں یہ نہ جان سکا کہ ان میں کیرل کون ہے اور
آڈری کون ... اور اس سے فرق بھی نہیں پڑتا تھا کیونکہ وہ اتنی پیاری لگ رہی تھیں
کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا ... ہم سب کے اندر خوشی ایک دشی بازار
کی طرح منہ زور ہو رہی تھی۔

”میں نے کہا مسنر...“ پرنسپل صاحب نے اپنی بیگم کو پکارا بوجپچن میں چار
آدمیوں کے لئے ڈنر تیار کرنے میں مصروف تھیں۔ وہ آئیں تو ہمیں دیکھ کر اپنے
خاوند سے بھی زیادہ حیران ہو گئیں۔

”یہ لوگ کھانا کھائیں گے“ پرنسپل صاحب نے بے حد ڈستے ڈنر تیگم سے کہا۔

”یہ سب لوگ ہی“ بیگم صاحب نے غستہ کو دباتے ہوئے پوچھا۔

”آن ... ہاں ...“ پرنسپل صاحب نے سر ہلا کیا۔

”لیکن جا رجی تم نے بتایا کیوں نہیں کہ یہ لوگ آرے ہے ہیں؟“

”مجھے خود پتہ نہیں تھا کہ یہ لوگ آرے ہے ہیں“ پرنسپل صاحب نے ایک بھیگی ہوئی
مکار اپنے کے ساتھ کہا اور پھر ہم سب کی طرف دیکھا کر شام دہم یہ کہہ دیں کہ جی نہیں
ہم کھانا نہیں کھائیں گے لیکن ہم کہاں کہتے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ میں کچھ نہ کچھ بندوبست کر لوں گی ...“ ان کی بیگم نے یکدم سب

کچھ بھولتے ہوئے کہا اور وہ دراصل خوش ہوئیں کہ ہم صرف انہیں ملنے کے لئے آئے ہیں یہ تو انہیں ہو سکتا کہ آپ رُگ کر سس ڈز بھی نہ کریں... یقیناً اس وقت آپ کے مان باپ اور بہن بھائی بھی کرسس کیرل گارہے ہوں گے اور وائٹ پی رہے ہوں گے۔
 ”بھی بالکل“ ہم سب نے سر ہلاایا حالانکہ ہم میں سے کوئی بھی عیسائی نہ تھا تین پاکستانی، ایک چینی، ایک ہندوستانی اور ایک سوڑانی... میں نے بھی انہیں یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اس وقت ہمارے مان باپ کرسس کیرل گانے اور وائٹ پینے کی بجائے آلو گوشت کھا کر شام نہ حقہ پی رہے ہوں گے اور ان کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو گا کہ کر آج کر سس دعیرہ ہے۔

”کیرل...“ پرنسپل صاحب جو کہ گھر میں جا رہی تھے اپنی ایک بیٹی کو مخاطب کر کے کہنے لگے ”بھئی تم کر سس کیرل گاؤں پکوں کے لئے“

اس دوران سچے ادھر ادھر انتہائی آرام دلنشتوں پر برا جہاں ہو کر چاکلیٹ اور دیگر مٹھائیاں تناول کر رہے تھے... کچھ حضرات ایک کونے میں بھی میز کو لے چکی ہوئی نظر دل سے دیکھ رہے تھے کہ اس پر ایسے ایسے زنگوں کے پانی تھے کہ جی خوش ہو جاتا تھا۔

”کیرل تو خود کر سس کیرل ہے“ میں نے ذرا آزاد ہونے کی کوشش کی لیکن کیرل بی بی نے کافی توجہ نہ کی اور سوٹ پر بیٹھ کر پیا نہ سجائے لگیں... دسری بی بی بھی اوری نے اپنی بہن کے کذسے پر ہاتھ رکھ کر ایک انتہائی منحنی اور هزار چھ قسم کی آئیں کی جس پر کچھ حضرات ہمنی نرود کے لیکن میں ضبط کیے بیٹھا رہا۔ پانچ چھ آئیں...“ کے بعد اس نے ایک ”ہا آ“ کیا اور بھر ہماری طرف داد طلب نظر دل سے دیکھا۔ ہم میں سے کچھ حضرات نے بوس سر ہلاایا بیسے بہت مزہ آیا ہو... بھر حال اس نے کلاسیک تھیڈ کے بعد صورت حال کچھ بہتر ہو گئی اور کیرل نے کیرل گانے شروع کر دیئے۔

”لڑکو تم اپنی مدد آپ کرو پرنسپل صاحب یعنی جارجی نے میز کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر تمام حضرات ہٹر برڈاکر اٹھئے اور پانیوں پر دھا دا بول دیا۔۔۔۔۔ پرنسپل صاحب کے ہاتھ میں برانڈی کا گول اور پتلا گلاس تھا اور وہ اُسے کبھی سو بندھ لیتے تھے۔ میں اسکا ادر کر سمس درخت کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اس پر کچھ ستارے تھے جو چمکاتے تھے اور چھوٹے چھوٹے پلاسٹک کے بادے اور کھلونے لٹک رہے تھے۔ بڑی کھڑکی کے بندشیوں کے باہر اگرچہ رات تھی لیکن برف کی وجہ سے ایک ہنکی برفلیم روشنی تھی جس میں چیزیں دکھائی دے جاتی تھیں۔ بھرک دریاں تھیں اور جھاڑیوں اور درختوں پر برف خاموشی سے گرتی تھی۔

”ہیلو جارجی“ وائگ نے پرنسپل کے گرد سے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔۔۔۔۔

”ہیلو“ پرنسپل صاحب نے مسکرا کر وائگ کی طرف دیکھا۔

کیرل اب صرف پیاز بجارتی تھی اور ہم سب گلا پھاڑ پھاڑ کر کچھ گاہ رہتے۔۔۔۔۔ کبھی تو میں ایک سفید کرسس کا خواب دیکھ رہا ہوں“ کا الائپ شروع ہو جاتا اور کبھی کوئی اور کرسس کی دھن۔

ڈرائیگ روم میں روشنی یوں بھی بہت کم تھی۔۔۔ صرف دو بڑی موم بنتیاں روشن تھیں۔

”ڈنر از ریڈی“ پرنسپل کی بیگم نے برابر کے کمرے سے پکارا اور ہم سب قبضتے لگتے اور شور مچاتے اور چلے گئے۔ کیرل اور آڈری اب ہم سے الگ نہ تھیں۔ وہ ہمارے گردہ میں شامل ہو چکی تھیں اور خوب نظر انہوں ہو رہی تھیں۔

روستہ نرکی۔ برسلز سپر اڈٹ کا ڈنر اور کرسس پذگ سویٹ کے طور پر اس کے ساتھ پینے کے لئے بہت کچھ۔

کھانے کے بعد ہم سب پھر ڈرائیگ روم میں لوٹ آئے اور پھر پیانا تو کی شامت

آگئی....

آڈری کسی کام سے باہر نہیں۔ واپس کمرے میں آئی تو دروازے میں کھڑی ہو گئی
... اسے سفر... کسی نے غور کیا ہے کہ میرے میں اور دروازے پر کیا لٹک رہا ہے؟
سب نے غور سے دیکھا۔ کوئی جھاڑی تھی چھوٹی سی..

”چند پتے ہیں“ میں نے کہا۔

”پتے نہیں ہیں یہ قریب مل ٹوپے...“ وہ ذرا احتلاکر بولی۔

”اچھا تو یہ مسل ٹوپے...“ دانگ نے پتوں کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔

”در اصل...“ پر شپل صاحب کھلانے کر سمس کے دن اگر آپ مسل ٹوکی جھاڑی کے

یچے کھڑے ہوں گے تو آپ کو بوسہ دینا پڑے گا۔“

”اچھا؟ ایک افریقی لڑکے نے چلا کر کہا“ کس کو؟“

”ٹھیک ہے“ دانگ کہنے لگا۔ میں اس کے یچے کھڑا ہوں گوں سمجھ جاؤ۔ اور

بھچ پڑھ لے۔“

”اویس سٹوپڈ...“ آڈری نے اس کے سینے پر پلاس اگونار سید کیا۔ اس کے

یچے تو میں کھڑی ہوں۔“

کر سمس کی یہ خاص رسم جانے کیوں ہم سب کو بے حد پسند آئی۔...

رات بھیگ رہی تھی۔ ہم میں سے کوئی باہر گیا اور واپس اگر کہنے لگا۔ ”برفیاری

وک گئی ہے؟“

کیرل پیانا فر پر ایک مشہور گیت ”ڑو لو“ بجانے لگی۔

”میں تمیں دوں اور تم مجھے دو...“

سچا پیار...“

ہمیشہ کے لئے سچا پیار...“

ہم سب اپنی آواز کو لے کی گمراہی میں سے برامد کر کے ”ڑو لو، ڈو لو“ گا رہے تھے۔ کہ سمس درخت کے پس منظر میں برف کی بکلی روشنی تھی اور آتش دان میں آگ بڑھتا رہی تھی اور اس کی تمازت ہمارے چہروں کو سرخ کرتی تھی۔۔۔ اور شب مجھے اس لمحے جسپی کا خیال آیا۔۔۔ سلمان کا بہت دور تھا۔۔۔ میں نے ذہن پر زور دے کر یہ خیال کرنا چاہا کہ سلمان کا میں اس وقت جسپی کیا کر رہی ہو گی۔۔۔ کیا وہ بھی میری طرح رقص کر رہی ہو گی اور پیا نے کے ساتھ گلا پھاڑ پھاڑ کر گا رہی ہو گی یا اس بالکوئی میں بیٹھی ہو گی جس میں لگے ہوئے پھول ان دنوں کھلنے تھے۔۔۔ سلمان کا بہت دور تھا۔۔۔

ہم اس مہربان گھر سے باہر فٹ پا تھے پر آئے تو وہ آتش دان۔۔۔ پیا نو پر بیٹھی ہوئی کیرل اور آڈری۔۔۔ اور کہ سمس کا سارا موسم انجڑ گیا۔ اب ہر طرف ایک خاموشی تھی۔۔۔ برف میں چلتے ہوئے کچھ پاؤں۔۔۔ ہمارے جسموں سے حدت رخت ہوئی اور ہم کا پنسنے لگے ہم اپنے اپنے گھروں سے بہت دور تھے۔۔۔ اور سلمان کا۔۔۔ اور جسپی۔۔۔ وہ بھی بہت دور سکتے۔۔۔

ناشیت کی میز پر رکھے خطوط قدرے بے قادرہ ہونے لگے.... اس نے شکامت کا ایک لفظ نہ لکھا..... کہیں کوئی حوالہ نہ دیا۔ مجھتا ہوا فقرہ نہ لکھا... صرف یہ لکھا کہ کرسمس کی شام کو وہ بالکل فی میں بیٹھی ہنگیریں خانہ بدوش موسیقی سنتی رہی اور بین...
میں کبھی بھلہ بھی جواب دیتا۔

اگلے برس جپی کا ایک طویل خط موصول ہوا.... وہ اطالبی ہے اور فیٹ کے کارخانے میں شیر ہولڈر سے۔ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور میں بھی اس کے ساتھ مجحت کرتی ہوں...
میں نے اس پر خوشی کا انعام کیا۔

اگلے خط میں اس نے شادی کی تاریخ لکھی اور اگر تم اب بھی آجائو اور...
میں نے جواب میں اس کی آئندہ شادی شدہ زندگی کی مسترتوں کی خواہش کا ایک تاریخ داکر دیا.... اس کے ساتھ شادی کا رو بھی جس میں باہمیں کی کوئی مقدس کوشش نہیں۔

اب ناشیت کی میز پر صرف اخبار میرا منتظر ہوتا۔

چپی کی جانب سے خاموشی تھی..... اور شاہزادی میں نے بھی اطمینان کا ایک گھر اساش لیا۔ ایک برس میرے والد صاحب کا خط آیا۔ تم اگر پاکستان آ جاؤ تو مستر ہو گا۔ تم بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہو اور اب وقت ہے کہ تم ان کے لئے کچھ کرو۔... میں نے بلاسوپے سمجھے ملکت کیا اور پاکستان پہنچ گیا.... والد صاحب کے علاوہ اگر کوئی اور مجھے بلا تاثر شاہزادی میں واپس نہ جاتا۔

ہر طرف دھول تھی۔

ہر شے پر دھول تھی اور فضا میں بھی گرد کا ایک غبار معلق تھا جس میں میں سانس
نہیں لے سکتا تھا۔ یہ لوگ کیسے زندہ ہیں۔ کس طرح سانس لیتے ہیں۔
لوگ اتنی آہٹگی سے چلتے تھے کہ ان پر افیونی ہونے کا گمان ہوتا تھا۔
مال روڈ اور ریگل چوک جنہیں میں نے شانزے لیزے اور پکا ڈالی سرکن میں بھی
یاد رکھا بوسید گی اور کاہلی میں سانس لیتے حسوس ہوئے۔
میں کہاں آگیا ہوں؟

انگستان اور پورپ کے طویل قیام نے میرا خانہ خراب کر دیا تھا یعنی مجھے اب
اپنا خانہ یعنی گھر خراب لگتا تھا۔

میرے بہن بھائی جن کے لئے میں دن رات آہیں بھرتا تھا اور جن کے لئے میں
اپنی وہ زندگی تیاگ کر آیا تھا کچھ آؤٹ آف فیشن لگتے تھے۔ ڈیلے ادھرست...
اپنا گھر بے حد گزندہ لگا جیسے گرنے کو ہے...۔

تفڑی صرف شیزاد میں صبح کی چائے۔ باغ بنناج اور مال روڈ پر میر کرنا تھی...۔

مجھے ہنسی آتی کر یہ کیا تفریج ہے۔

محبے گرمی بہت لگتی اور میں ایک نیلی نیکارا در سفید کپڑے کا بنا ہوا اٹالوی ہیٹ پسند کر مال روڈ پر گھومتا رہتا۔ لوگ مجھے دیکھ کر ہنسنے کر یہ کیا جا رہا ہے... ایک رشتے دار خاتون تشریف لا یہیں اور ان کے ہمراہ ایک نہایت خوبصورت لڑکی تھی....

میرے اینیلاسے ناں...؟ خاتون نے اپنی بیٹی کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھا
جب خیر سے تم دلائست گئے تھے تو یہ پھر وہی تھی نو دس سال کی...؟
”اپھا؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔ یہ اینیلاسے ہے؟ کمال ہے یہ تو چھوٹے ہوتے
یورمنی سی تھی اور اب تو بہت خوبصورت ہو گئی ہے... بہت ہی شامنار
رشتے دار خاتون نے اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑا اور غصتے سے واک اڈت کر گئیں۔
”تمہیں سترم نہیں آتی...؟“ میری امتی نے ڈانٹ پلانی ”یہ کیا کہہ دیا ہے تم نے...؟
انگریزی کے ہولکروں کو... خوبصورت کہتے ہو“

اب میری سمجھد میں نہیں آتا تھا کہ میں نے کیا پہاڑ ڈھا دیا ہے... میں نے تو اپنی طرف سے تعریف کی تھی۔ کوئی ملٹی دیا تھا کہ لڑکی خوبصورت ہو گئی ہے، اس میں کیا قباحت ہے۔ اس طرح مال روڈ پر ایک اور وقوعہ ہو گیا... میں اور میرا ایک دوست جسے ہم جمال کہہ سکتے کیونکہ ان دونوں وہ اتنا بڑا فسر ہیے کہ اس کا اصل نام لکھا تو وہ ظاہر ہے پسند نہیں کرے گا.... میں اور جمال مال روڈ پر چهل قدمی کر رہے تھے۔ میں حسبِ محمول نیکر، بنیان اور اطلاعی ہیئت میں "میوس" تھا اور شدید پورہ بہر رہا تھا.... جمال کا خیال تھا کہ شہزاد میں چائے پی کر "عجیاشی" کی جائے اور میں منہ بنا رہا تھا.... تب میں نے دیکھا کہ چینی بوڑیں کی دکان کے شوکیں کے قریب دخواہیں کھڑی ہیں "جمال" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا "کیوں نہ ان دولی یہ زیکو چائے کے لئے مدعو کیا جائے، ذرا فناقت رہے گی"۔

"ہیں؟" جمال کا زنگ فتح ہو گیا۔ کیا کہہ رہے ہو۔ ہوش کی دوکردا"

"کیوں؟ کیا تباہت ہے... اور اگر وہ چاہیں تو اپنے حصے کابل خود ادا کر دیں..."

آد پرچھتے ہیں؟

"بھائی میرے" جمال نے میرا بازو پکڑ لیا اور فتحیوں کی طرح گزگزدا کرنے لگا۔ کیوں مار کھانی ہے، پاکستان ہے بھائی... پکج خیال کرو" اس کے ساتھ ہی جمال ادھر ادھر نظر دوڑا رہا تھا کہ کمین کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔

میں نے صدقِ دل سے یہی سمجھا کہ جمال یومنی روز ہو رہا ہے دردید قوایک معمولی بات ہے کہ آپ کسی خاتون کو چائے کے لئے مدعو کر لیں اور پھر اُس کا شکریہ ادا کر کے اپنے راستے پر چلے جائیں چنانچہ میں نے اپنے ہیئت کا زاویہ درست کیا اور ان ہر دو خواتین کی طرف چلنے لگا جو شوشکیں میں بھائیک رہی تھیں۔ ان کی شکل بہت پیشی تھی لیکن میں نے سوچا کہ شام انہوں نے کوئی اپھی کتاب پڑھ رکھی ہو گی یا فلم دیکھی ہو گی اور ہم اس کے بارے میں لفتگو کر لیں گے۔ اس دردان میں نے پیچھے فڑک دیکھا تو ایک منظر نے مجھے بے خوبی کیا۔ اور وہ منظر یہ تھا کہ جمال صاحب کسی مریل گھوڑے کی طرح اپنے بدن کا پورا زور لگاتے ہوئے بگٹٹ بھاگے چلے جا رہے تھے... میں نے سوچا شام میں اسے کوئی بہت ہی ضروری کام ہے۔ بہر حال میں ان خواتین کے قریب گیا اور "ہمیلو" سکھنے کے بعد اپنا مدعا بیان کیا... انہوں نے میری طرف دیکھا۔ دونوں کے منزکھے ہوئے تھے اور وہ اُسی عالم سیرافی میں پاؤں مالی چلی گئیں۔ مجھے بے حد افسوس ہوا کہ ان مقامی خواتین میں اخلاقیات کا اتنا فتدان ہے کہ میری دعوت پر اتنی بد تیزی سے بغیر کچھ کے چلی گئی ہیں۔ کم از کم "زندگی کی وجہ" ہی کہہ دیتیں اور ذرا مستکراتے ہوئے۔

اس شام میرے چھوٹے بھائی نے یہ تصریح کر مجھے مشورہ دیا کہ بھائی جان

آپ ذرا ایک دو ماہ کے لئے گھر پر ہی رہیں۔
جمال نے میرے ساتھ سیر پر جانے سے انکار کر دیا۔

میری یہ "ریکیفیت" تقریباً پچھے ماہ تک جاری رہی اور پھر میں بھی نمک کی کان میں نمک سوتا گیا... میں نے انگلستان سے واپسی پر جس قسم کی احتمال حركات کی تھیں ان کے خیال سے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے کہ یہ میں کیا کرتا رہا ہوں... میں اب اپنے والد صاحب کے ساتھ کار و بار میں شریک تھا، بن بھائیوں کی تعلیم اور ان کی شادیوں کے بارے میں سوچنا میرا کام تھا۔

میں اپنی انفرادیت سے نکل کر خاندان کی اجتماعیت میں شامل ہو چکا تھا۔ میں نے ایک سکوڑ خرید رکھا تھا اور ایک اچھے پاکستانی کی طرح صاف ستھری اور بور زندگی کی گزار رہا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ سطح پر تھا... میں یورپی کلچر کی ایک شاخ کراپنے اندر پھوٹتا ہو سکتا تھا یورپی موسیقی مجھ پر اب بھی اُسی شدت سے اڑانداز ہوتی... مخفی ادب میں مجھے اپنا نیت محسوس ہوتی۔ میں گھر واپس آگر اپنے چھوٹے سے کمرے میں بند ہو جاتا اور کیست لگا کر واپس اُسی دنیا میں پہنچ جاتا۔ یورپ کے بے شمار دوستوں کے خط آتے اور میں انہیں جواب لکھتا رہتا... ایک سویٹش درست نے میرے لئے اپنے چھوٹے سے قصبے میں ایک دوکان کا بندوبست کیا جہاں ہم پاکستانی دشکار یا ان فروخت کرنا پاہتے تھے... والد صاحب سے بات ہوئی تراہوں نے حسب مادت یہ کہا کہ دیکھ لو تمہاری مرضی ہے... لیکن میں جان گیا کہ اُن کی مرضی نہیں ہے۔

کرمس اور نیوا میر پر میں بہت یہ چین رہتا... لاہور کے ہوٹل خصوصی پر ڈگام کرتے۔ میں ایک دو مرتبہ ان میں شامل ہوا لیکن یہ تو کرمس اور نیوا میر کے نام پر کچھ اور تھا... کرمس کا موسم اس سے بالکل الگ تھا...۔

وقت کے گذرنے سے اس احساس نے کوڈٹ لی کہ زندگی کا وہ حصہ ختم ہو چکا
اُس کا سوگ کب تک... اور یوں بھی چھرے اور وہ لمبی سکیپ خواب ہونے لگے۔ میرا پی
دنیا میں واپس گیا... یہ میری اصل واپسی تھی۔
ایک اور دسمبر آیا تو میں نے نئے سال کے کارڈ یخپوائے اور انہیں اپنے یو پی
اور دیگر خیر نمکی دوستوں کو روانہ کیا۔ بہت ساری ڈائریکٹیوں، فرٹ تھے، کارٹ تھے
اور ان پر ان دوستوں کے پتے تھے۔ کسی نے مجھے اپنی کار میں لفت دی تھی، کوئی
مجھے کسی ریسٹوران میں ملا تھا اور کچھ ایسے جن کے چہرے یاد نہیں تھے، یہ بھی یاد نہ
تھا کہ وہ کہاں ملے اور کب طے... صرف ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نام اور پتے
 موجود تھے... میں نے ان سب کو مبارکباد کے کارڈ روانہ کر دیئے... کچھ کے جواب
آئے... کہ اچھا تم ابھی ہو... پاکستان میں ہو؛ ... تم وہی تو نہیں ہو... بھر حال کبھی
ادھر آتا تو ضرور ملتا وغیرہ وغیرہ۔
ان میں ایک خط بیسی کا تھا۔

پچھلے دو تین برس سے میں شدید تہماں کا شکار تھا... میرے بیشتر دوست
سرکاری ملازمتوں میں جا چکے تھے۔ ان کی دلچسپیاں مجھ سے مختلف ہو چکی تھیں اور
یوں بھی وہ لا ہو رہے باہر تھے... عام لوگ جن تجربوں اور خواہشوں میں سے گذر رہے
تھے اور بے حد پر مرتضیٰ اور لذت سے لبریز تھے میں انہیں پرانا کرچکا تھا... بہت
عرض پسلے میں ان وادیوں میں سے ہو آیا تھا... میرے لئے کوئی شے شما نہ تھی۔
خرشی اور والماں غرضی دینے والی نہ تھی... میں دکھ دکھ کر ٹھنڈا ہو رہا تھا اور
مجھ پر راکھ کی تھے موٹی ہوتی بار بھی تھی... ان دنوں میں نے ایک دصیان کیا... مجھے
وہ لوگ یاد آئے جو میرے ساتھی تھے۔ جن کے ساتھ میں نے ایک طویل عرصہ گزارا۔
جو میری جذباتی زندگی کے رفیق تھے اور جن سے میں نے چاہت کے جذبات کا اظہار